ترکی اور اسرائیل---مشرقِ وسطیٰ میں طاقت کا نیا توازن

ڈووا کس مین *

تلخیص: محمد ایوب منیر

مشرقِ وسطیٰ میں ایسی اندرونی رو چل رہی ہے جس سے ڈرامائی تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔ امریکہ، اسرائیل اور ترکی نے جنوری (۱۹۹۸ء) میں بحیرہ روم میں مشترکہ پیشہ ورانہ بحری فوجی مشقیں کیں۔ اسرائیل کے ساحل پر کی جانے والی مشقیں RELIANT MERMAID کے خفیہ نام سے موسوم ہوئیں۔ ترکی، اسرائیل اور امریکہ کے بحری جہاز، ہیلی کاپٹر اور ائیر کرافٹ چار گھنٹے تک سمندر میں اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ عالمِ عرب کے احتجاج کی بدولت یہ مشقیں دو مرتبہ ملتوی ہو چکی تھیں۔ منجھے ہوئے امریکی سفارت کاروں نے ان کو معمول کی مشقیں قرار دے کر اتنی اہم پیش رفت کو منظر سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ ان مشقوں کے بعد ترکی اور اسرائیل کے درمیان فوجی تعاون مزید مضبوط ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔

امریکہ کی پالیسی ہے کہ اپنے دونوں حلیفوں کو ایک دوسرے کا دوست بنا دیا جائے۔ علاقے میں ترکی کے پاس سب سے بڑی فوج ہے (ناٹو کے اندر بھی یہ فوج دوسرے نمبر پر ہے)۔ ترقی، ٹیکنالوجی اور ہنرمندی (skill) کے لحاظ سے اسرائیل علاقے میں سب سے آگے ہے۔ ان دونوں قوتوں کو یکجا کرنے سے امریکہ کو وہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں جن کے لیے امریکی اصطلاح میں قابلِ قبول لفظ ''امن'' استعمال ہوتا ہے۔ ترکی اسرائیل اتحاد وجود میں آ جانے سے طاقت کا توازن دو جمہوری، مغرب پرست اور منڈی کی معیشت میں اعتقاد رکھنے والے ممالک کے حق میں ہو جائے گا۔

اس مقصد کے حصول کی راہ میں کئی رکاوٹیں حائل ہیں۔ فی الوقت دونوں ممالک کے درمیان

---

* Dove Waxman, "Turkey and Israel: A New Balance of Power in the Middle East," *The Washington Quarterly*, Winter 1999, pp. 25-31

عسکری معاہدہ وجود میں نہیں آ سکا البتہ فروری اور اگست ۱۹۹۶ء میں فوجی تعاون کے دو سمجھوتے (understandings) ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی تفصیلات ابھی صیغہ راز میں ہیں تاہم افسران کے تبادلے، عسکری وفود کے دورے، تربیتی مراکز تک رسائی، مشترکہ فضائی و بحری تربیت، سرحدوں کی نگرانی اور سامانِ حرب وضرب کی مشترکہ تیاری اس کی تفصیلات میں شامل ہیں۔ اسرائیل اور ترکی باہمی تعاون سے سراغ رسانی کے طویل منصوبے بھی پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں تاہم مشترکہ جنگ یا مشترکہ دفاع کے منصوبوں کے بارے میں کوئی چیز طے نہیں کی گئی ہے۔ چونکہ مسلم برادری سے فی الفور علیحدگی کو ترکی کے عوام الناس کبھی پسند نہ کریں گے اسی لیے مشترکہ دفاع کا منصوبہ زیر التوا رکھا گیا ہے۔

> اِن دونوں قوتوں (ترکی اور اسرائیل) کو یکجا کرنے سے امریکہ کو وہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں جن کے لیے امریکی اصطلاح میں قابلِ قبول لفظ ''امن'' استعمال ہوتا ہے۔

اگرچہ ہمہ پہلو عسکری اتحاد (Full blown Military Alliance) وجود میں نہ آ سکا تاہم تعاون کی موجودہ شکل بھی حکمتِ عملی کے حوالے سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ ایک قابلِ غور نکتہ یہ بھی ہے کہ ترکی یہ کبھی نہ چاہے گا کہ عسکری معاہدوں میں اس قدر آگے بڑھ جائے کہ جمہوریہ شام کو تشویش ہو اور ایک محاذ گرم ہو جائے۔

واشنگٹن پالیسی انسٹی ٹیوٹ برائے مشرقِ قریب کے مبصر مائیکل (Michael Eisenstadt) کا کہنا ہے:

> اسرائیل کی جنگی سرگرمیوں کی حمایت کر کے ترکی کو کم فائدہ ہوگا لیکن ترکی کو شام کی طرف سے (دہشت گردی کے ذریعے سے) شدید جواب ملے گا اور عربوں کی طرف سے بھی مقاطعہ متوقع ہے۔ اس لیے ترکی اسرائیل کے ساتھ سراغ رسانی، میزائل ڈیٹا، تباہ شدہ ہوائی یا بحری جہازوں کی مرمت جیسے کام خاموشی کے ساتھ کرے گا۔ اس طرح اسرائیل کے ساتھ مل کر اسرائیل کے دشمنوں کو بھی سزا دی جا سکے گی اور خطرات بھی کم ہوں گے۔

اسرائیل کے اندر کسی بھی تبدیلی یا پیش رفت کا شام کو سب سے زیادہ احساس رہتا ہے، شام کی شمالی اور جنوبی سرحدوں پر اسرائیل کی فوجیں تیار رہتی ہیں اور ترکی اسرائیل دوستی کا سب سے زیادہ نقصان بھی مملکتِ شام کو ہی ہوگا۔ جون ۱۹۸۱ء میں اسرائیل عراق کے اسیرک (Osirak) مقام پر نصب جوہری ہتھیاروں کو تباہ بھی کر چکا ہے اور اتحاد کے وجود میں آنے کے بعد ایران کے غیر روایتی ہتھیار (Non Conventional Weapons) بھی نشانہ بن سکتے ہیں۔

ان حالات میں شام اور ایران نے اپنے تعلقات بہتر بنانے کی کوششوں کا آغاز کر دیا ہے۔ انقلاب کے تقریباً بیس سال بعد ۱۹۹۷ء میں شام کے صدر حافظ الاسد نے تہران کا دورہ کیا۔ شام نے عراق کے ساتھ بھی بہتر تعلقات استوار کرنا شروع کر دیے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں دونوں ممالک کے درمیان تین سرحدی چوکیاں پندرہ سال کے وقفے کے بعد کھول دی گئیں، مصر نے بھی شام اور سعودی عرب کی طرف جھکاؤ ظاہر کر دیا ہے۔ ایران نے بھی درمیانی درجے کے بیلسٹک میزائل کا کامیاب تجربہ کر کے اسرائیل کو واضح پیغام دے دیا ہے۔

> ترکی اسرائیل کے ساتھ تجارتی روابط کے ذریعے امریکہ سے روابط استوار کرنا چاہتا ہے اور اسرائیل ترکی کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے بعد وسطی ایشیا کے ممالک کے ساتھ تجارتی ترقی چاہتا ہے۔

عرب ممالک ازسرِنو عرب بلاک تشکیل نہ دے سکیں گے، اُن کے آپس میں اتنے ہی اختلاف ہیں جتنے کہ اسرائیل کے ساتھ ہیں۔ ترکی اسرائیل کے مجوّزہ اتحاد کو بھی حقیقی خدشہ ترکی عوام الناس سے ہوگا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ مجوّزہ اتحاد کی عوام بہت کم پزیرائی کریں گے۔ اسرائیل کے ساتھ تعاون ترکی کی سیاسی اور فوجی قیادت کے ایماء پر ہو رہا ہے جو کہ کمال اتاترک کے سیکولر ورثے کی امین ہے۔ ترکی کے قدامت پرست اور اسلام پرست عوام، مسلم دنیا سے کٹ جانے کے ترکی کے فیصلے کو پسند نہ کریں گے۔ علاوہ ازیں، وہ فلسطینیوں کی حمایت کرتے ہیں اور اسرائیل کے لیے اُن کے ذہن میں کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ گروہ مجوّزہ معاہدے کو ''جرنلوں کا معاہدہ'' قرار دینے میں متامل نہیں ہوتے۔

ترکی کی اسلام پسند جماعت رفاہ پارٹی آغاز ہی سے اسرائیل کی مخالف ہے اور اسرائیل کے ساتھ کسی قسم کے معاہدوں کی مخالف ہے۔ ترکی میں بہرحال ایسے افراد بھی قابلِ ذکر تعداد میں موجود ہیں کہ جو ترکی کی مغربی اور سیکولر بنیاد کے ہم نوا ہیں اور اسرائیل کے ساتھ معاشی، سیاسی اور اسٹریٹیجک مفادات سے بھی آگاہ ہیں۔ اگرچہ رفاہ پارٹی حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی تھی لیکن اس کو ۲۳ فی صد ووٹ ملے تھے۔ رفاہ کے نمائندوں نے کھلے بندوں اعلان کیا تھا کہ اسرائیل کے ساتھ معاہدوں کو ہم ختم کردیں گے لیکن ترکی اور اسرائیل کے درمیان اپریل ۱۹۹۷ء میں آزاد تجارت کے معاہدے کی تجدید ہوئی اور پارلیمنٹ نے اس کو بھاری اکثریت سے منظور کرلیا، ووٹ دینے والوں میں رفاہ کے نمائندے بھی شامل تھے۔ اس معاہدے کی بدولت ترکی اور اسرائیل کے درمیان تجارت پینتالیس کروڑ ڈالر سے بڑھ کر دو ارب ڈالر تک پہنچ گئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تین سے چار لاکھ اسرائیلی سیاح ہر سال ترکی کا دورہ کرتے ہیں اور تین ارب ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ جن حضرات کا تجارت، کاروبار، سیاحت سے تعلق ہے وہ ان مفادات کو قربان نہیں کرنا چاہتے۔ ترکی اسرائیل کے ساتھ تجارتی روابط کے ذریعے امریکہ سے روابط استوار کرنا چاہتا ہے اور اسرائیل ترکی کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے بعد وسطی ایشیا کے ممالک کے ساتھ تجارتی ترقی چاہتا ہے۔

> اسرائیل یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ اپنے جھگڑے کو اہلِ فلسطین کے ساتھ علاقائی لڑائی بنا کر پیش کرے اور دُنیا کو دکھا دے کہ اُس کے مسلم ممالک سے تو بہت معقول روابط ہیں نیز یہ کہ مسلمان اور یہودی بھی اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔

اسرائیل ہر دور میں دُشمنوں کے درمیان گھرا رہا ہے، اسرائیلی کارپرداز ہر دور میں دُشمنوں کے درمیان دوست تلاش کرتے رہے ہیں۔ تجزیہ نگار Daniel Pipes کا کہنا ہے کہ ''ترکی اسرائیل معاہدے سے نفرت کی دیوار ٹوٹے گی اور دوسرے مسلم ممالک کے لیے بھی ترکی مثال بنے گا'' (دیگر مسلم ممالک بھی بآسانی اسرائیل کے ساتھ روابط استوار کرلیں گے)۔ اسرائیل یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ اپنے جھگڑے کو اہلِ فلسطین کے ساتھ علاقائی لڑائی بنا کر پیش کرے اور دُنیا کو دکھا دے کہ اُس کے مسلم ممالک

سے تو بہت معقول روابط ہیں نیز یہ کہ مسلمان اور یہودی بھی اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔

دورِ عثمانی کے سابقہ تجربات کی روشنی میں ترک ابھی تک عربوں سے دوری محسوس کرتے ہیں۔ ترکی کو سیکولر رکھنے کے خواہش مند یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس کا سیکولر چہرہ برقرار رہے اور اہلِ مغرب اسے ''اسلام زدہ'' نہ سمجھیں۔ اس پالیسی پر عمل پیرا ہونے سے یورپی یونین کی ممبر شپ بھی یقینی ہو سکتی ہے۔ اگر ترکی یورپی یونین سے دور بھی رہے تب بھی اسرائیل کے ساتھ تعلق رکھنے کی بدولت علاقائی اور عالمی سیاست میں اس کے کردار میں نمایاں اضافہ ہو سکتا ہے۔ ترکی اور اسرائیل کی دوستی کے نتیجے میں دونوں ممالک علاقے میں تنہائی محسوس نہ کریں گے اور عالمی برادری میں زیادہ پُر اعتماد ہو جائیں گے۔ ترک پُر امید ہیں کہ اُن کے برسلز کے ساتھ تعلقات روبہ زوال ہیں تاہم واشنگٹن کے ساتھ بہتر ہو رہے ہیں اور اس کا سبب اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی استواری ہے۔

دورِ عثمانی کے سابقہ تجربات کی روشنی میں ترک ابھی تک عربوں سے دوری محسوس کرتے ہیں۔ ترکی کو سیکولر رکھنے کے خواہش مند یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس کا سیکولر چہرہ برقرار رہے اور اہلِ مغرب اسے ''اسلام زدہ'' نہ سمجھیں۔

امریکہ کی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے مئی ۱۹۹۷ء میں کہا ''امریکہ کی اسٹریٹیجک ترجیح یہ ہے کہ اسرائیل اور ترکی لازمی طور پر عسکری تعاون اور سیاسی تعلق کو مضبوط کریں، یہی دونوں ممالک کے لیے بہتر ہے اور امریکہ کے لیے بھی''۔ اس کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ امریکی کانگرس میں ترکی کے دوستوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی، یونان اور آرمینیا کی کانگرس میں لابی ہونے کی وجہ سے ترکی کو عموماً ہزیمت اُٹھانا پڑی ہے۔ اسلحے کے حصول کے لیے بھی ترکی کو امریکہ کی یہودی لابی کی خدمات مستعار لینا پڑتی ہیں۔

ترکی اور اسرائیل امریکہ کے دو مضبوط سیکولر اور جمہوریت پرست دوست ممالک ہیں۔ ان کے مجوّزہ اتحاد کے لیے امریکہ کو کیا کردار ادا کرنا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے اس قدر قریب آ چکے ہیں کہ اب انہیں مزید کسی تردّد کی ضرورت نہیں ہے اور اُن کے مفادات نے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ترکی کے عوام ترکی کی مسلم بلاک سے علاحدگی کو امریکی

سازش قرار دیں اور اس طرح ان میں امریکہ کے خلاف جذبات میں اضافہ ہو جائے تاہم امریکہ کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس موقع پر خاموشی کے ساتھ دونوں ممالک کے تعلقات کے ارتقاء کا مشاہدہ کرے اور اپنے مجوزہ پروگرام برائے امن کے ثمرات سمیٹے۔

[ڈوواکس مین جان ہوپکنز یونیورسٹی سے بین الاقوامی تعلقات پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، اور سنٹر فار سٹرٹیجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز واشنگٹن میں تحقیقی تجزیہ نگار ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ پر ان کے کئی مضامین اور مقالہ جات شائع ہو چکے ہیں۔ مدیر]